سید مظہر جمیل

# جدید سندھی ادب کے... چند بنیاد گزار مستشرقین

In this article it is tries to explore the efforts of those orientalists who have highlighted Sindhi literature in their writings. Due to these efforts many anonymous parts of the Sindhi literature have come at the front.

---

جدید سندھی ادب کے ابتدائی دور اور عہدِ تاسیس میں چند انگریزوں نے جو اپنی ملازمت یا دوسری ذمہ داریوں کے تعلق سے سندھ آئے تھے، سندھی زبان و ادب کے سلسلے میں نہایت گراں قدر خدمات انجام دی ہیں جنھیں نہ تو نظر انداز کیا جا سکتا ہے اور نہ جس کے لیے سپاس گزاری سے گریز ممکن ہے۔ ان میں سے بعض تو وہ لوگ تھے جو اپنی ملازمت کے سلسلے میں سندھ میں متعین تھے اور جنہوں نے اپنے قیام کے دوران سندھی زبان، ادب، ثقافت اور ماحول سے دل چسپی پیدا کر لی تھی اور سندھی زبان و ادب کو جدید خطوط پر استوار کرنے میں بنیادی خدمات انجام دی ہیں۔ اور بعض ایسے تھے جنہوں نے ہندوستان کی دوسری زبانوں کے ساتھ سندھی زبان و تاریخ کا بھی مطالعہ کیا تھا اور سندھی زبان و ادب کے بارے میں غیر متعصّبانہ خیالات کا اظہار کیا، جن پر آگے چل کر سندھی زبان و ادب اور تاریخ و ثقافت کی باتبت تحقیقی سرگرمیاں جاری رکھی گئیں۔ بعض کی حیثیت تاریخ داں اور وقوعہ نگار کی ہے اور بعض نے بطریقِ سیاحت وادیِ سندھ اور اس میں بسنے والوں کی زندگیوں، رہن سہن، ثقافت اور تمدن کا مطالعہ کیا تھا۔

یہ سب مستشرقین جدید ادب کے بنیاد گزاروں میں شامل ہیں جن کے تذکرے ذیل میں کیے جا رہے ہیں۔

## کیپٹن جارج اسٹیک (Captain George Stack)

کیپٹن جارج اسٹیک کا شمار ان لوگوں میں ہوگا جنہوں نے کسی بھی سندھی النسل ادیب اور عالم سے زیادہ سندھی زبان و ادب پر توجہ کی تھی۔ وہ حیدر آباد کا ڈپٹی کلکٹر متعین ہوا اور سندھ میں آنے سے قبل ہی سے سنسکرت، ہندی، فارسی اور اردو سے دلچسپی رکھتا تھا۔ چناں چہ محض چند برسوں میں سندھی بولی سے نہ صرف دل چسپی پیدا کر لی بل کہ اس میں اس حد تک مشق بہم پہنچائی کہ سندھی بولی کے لسانی قواعد و ضوابط ترتیب دے ڈالے۔ یہ یقیناً نہایت اہم کارنامہ تھا کہ جارج اسٹیک نے جدید رسم الخط کی منظوری (۱۸۵۲ء) سے چھ سال قبل ہی یعنی مارچ ۱۸۴۷ء میں سندھی زبان کی با قاعدہ گرامر مرتب کر ڈالی تھی جو ۱۸۴۹ء میں حکومت کی ایما پر بمبئی سے اشاعت پذیر ہوئی۔

دراصل سندھی زبان کے جدید رسم الخط کے سلسلے میں کیپٹن جارج اسٹیک نے عربی فارسی رسم الخط کی مخالفت کی تھی کہ وہ دیوناگری کو سندھی زبان کے لیے زیادہ موزوں گردانتا تھا۔ اس سلسلے میں اس نے کمشنر سندھ فریئر بارٹل کو بھی دیوناگری رسم الخط اختیار کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن ورنیکلر کمیٹی کی قائم کردہ 'رسم الخط کمیٹی' نے سندھی زبان کی بعض مخصوص صوتیات کے لیے چند مخصوص علامتیں تشکیل دے کر اپنا فیصلہ عربی فارسی رسم الخط کے حق میں دیا تھا۔ چناں چہ دیوناگری رسم الخط کی تجویز زیادہ مقبول نہ ہو سکی تھی۔

جارج اسٹیک نے اپنی مرتب کردہ گرائمر کے لیے بھی گورمکھی ہی کو استعمال کیا تھا اور مخصوص سندھی صوتیات کے لیے

دیوناگری رسم الخط میں بھی مناسب اضافے کیے اور اپنے اختیار کردہ رسم الخط کو ’’ہندوستانی...... یا خدادادی رسم الخط‘‘ کہتا تھا۔ (ہدایت پریم) اس نے عربی اور فارسی کے ہم آواز لفظوں کے لیے صرف ایک حرف کو اختیار کیا تھا مثلاً ق، ک، کھ کے لیے صرف کاف (ک) کا لفظ۔ ص، ز، ظ اور ج کے لیے جیم (ج)۔ س، ث، ص کے لیے صرف سین (س) وغیرہ۔

اس سلسلے میں جارج اسٹیک کی یہ بھی دلیل تھی کہ چوں کہ دیوناگری رسم الخط عربوں کی آمد سے پہلے سندھ میں رائج تھا اور اب بھی سندھ کے ہندوؤں کے علاوہ گجرات اور کچھ دوسرے علاقوں میں بھی مستعمل ہے اس لیے اسے جلد مقبولیت حاصل ہو جائے گی۔ اس کا یہ بھی خیال تھا کہ دیوناگری رسم الخط اختیار کر کے سندھی، ہندی النسل دوسری بولیوں سے قریب ہو کر بھی منفرد رہے گی کیوں کہ اس کا ضمائر کا استعمال اور فعل کا جملے کے آخر میں آنا مشترکہ خصائص ہیں۔ ’حرفِ جار‘ کے استعمال وغیرہ کے قواعد دوسری سندھی النسل زبانوں سے مختلف ہیں اور یہ فرق وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو جائے گا۔

جارج اسٹیک نے اپنی مرتب کردہ گرائمر کے آخر میں پانچ لوک کہانیاں بھی شامل کی ہیں۔

جارج اسٹیک کا دوسرا اہم کارنامہ انگریزی سندھی ڈکشنری کی ترتیب ہے۔ یہ ڈکشنری ۱۸۴۶ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں اندازاً بارہ ہزار الفاظ شامل کیے گئے تھے۔ اس ڈکشنری کی تاریخی حیثیت یوں بھی ہے کہ اس میں شامل بہت سے انگریزی اور سندھی الفاظ آج کل مروّج نہیں رہے ہیں۔ جارج اسٹیک کی مرتب کردہ دوسری ڈکشنری سندھی۔ انگریزی الفاظ پر مشتمل تھی۔ جس میں سندھی الفاظ کے انگریزی متبادل لفظ دیے گئے تھے۔ اور اس میں کم وبیش سترہ ہزار الفاظ شامل کیے گئے تھے۔ جو کسی بھی زبان کی ابتدائی ڈکشنری کے لیے قابلِ فخر ذخیرہ کہا جانا چاہیے۔ جارج اسٹیک خرابیِ صحت کی بنا پر سندھی انگریزی ڈکشنری کو اپنی زندگی میں شائع نہ کرا سکا تھا۔ اس کی زندگی میں صرف ایک سوسات صفحات شائع ہو سکے تھے کہ وہ ۱۸۵۳ء میں وفات پا گیا۔ چنانچہ باقی ڈکشنری کی اشاعت مسٹر بی ایچ ایلس (جو رسم الخط کمیٹی کے سربراہ بھی تھے) اسسٹنٹ کمشنر سندھ کی نگرانی میں تکمیل پذیر ہوئی...... اس پر دیباچہ بھی بی ایچ ایلس نے لکھا ہے۔

لچھمن خوب چندانی نے اپنی تجزیاتی کتاب Currrent Trend in Sindhi Linguistics میں جارج اسٹیک کی ڈکشنریوں اور گرائمر کو Monumentar یادگار کہا ہے۔

## ڈاکٹر ارنسٹ ٹرمپ (Dr. Earnest Trampp)

جرمن اسکالر ڈاکٹر ارنسٹ ٹرمپ ۱۳ مارچ ۱۸۲۸ء میں جرمنی کے ایک چھوٹے سے شہر انسفیلڈ میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا باپ جارج تھامس تھا جو کارپینٹر اور کاشت کاری کا کام کرتا تھا۔ ارنسٹ کی تربیت مذہبی ماحول میں ہوئی تھی اور اسے شروع ہی سے مختلف زبانیں سیکھنے کا شوق رہا تھا۔ چنانچہ اس نے بچپن ہی میں انگریزی کے علاوہ لاطینی، یونانی اور دوسری یورپی زبانیں سیکھنے پر توجہ دی۔ اس کا باپ اسے پادری بنانا چاہتا تھا اور اس مقصد کے لیے اسے جرمنی کے ایک مذہبی ادارے میں داخل بھی کر دیا گیا تھا۔ جہاں اس کے اساتذہ نے غیر ملکی زبانوں میں اس کے شغف کی حوصلہ افزائی کی۔ وہ عبرانی، عربی، فارسی، سنسکرت وغیرہ میں خصوصی دل چسپی رکھتا تھا۔ لہٰذا اس نے جرمنی سے لندن کا سفر کیا اور وہاں ایسٹ انڈیا ہاؤس میں اسسٹنٹ لائبریری کی اسامی پر کام کرنے لگا۔ وہاں سے تیس سال کی عمر میں اسے ہندوستان آنے کا موقع مل گیا۔ جہاں اس نے پہلے بمبئی اور بعد میں کراچی کو اپنا مستقر بنایا۔ یہاں اس نے سندھی زبان سیکھنا شروع کی اور بہت قلیل مدت میں اس زبان میں لکھنے پڑھنے کی صلاحیت حاصل کر گیا۔ سندھ کے علاقے میں گھومتے پھرتے ہوئے اسے شاہ عبداللطیف بھٹائی کا کلام لوگوں سے سننے کا موقع ملا اور اس نے شاہ کے کلام میں غیر معمولی کشش محسوس کی۔ وہ گھنٹوں عام لوگوں، شاہ کے معتقدین اور فقیروں کے درمیان خوشی خوشی گزار دیا کرتا اور شاہ کے کلام کی موسیقیت میں سکون پایا کرتا تھا۔ اس نے شاہ عبداللطیف بھٹائی کا کافی کلام لوگوں سے سن

سن کر جمع کرنا شروع کیا۔ اس کام کے دوران ٹرمپ نے شاہ صاحب کے معتقدین کے پاس شاہ کے کلام پر مشتمل بیاضیں اور مختلف رسالے بھی دیکھے۔ لیکن وہ سندھ میں زیادہ طویل مدت تک نہیں رہ سکا کہ سندھ کی آب و ہوا اسے راس نہیں آ رہی تھی جس کی وجہ سے وہ یہاں سے واپس چلا گیا اور ۱۸۶۰ء سے ۱۸۶۳ء کی درمیانی مدت میں شاہ عبداللطیف بھٹائی کے جمع کردہ کلام کو مرتب کرتا رہا اور شاہ کی شاعری پر نہایت عالمانہ تنقیدی مقالہ لکھا اور ۱۸۶۶ء میں شاہ صاحب کے کلام کو اپنے مضمون سمیت لیپزگ (Leipzig) سے ''شاہ جو رسالو'' کے نام سے چھپوایا۔ ۱۸۷۰ء میں وہ دوبارہ ہندوستان آیا کہ اس بار اسے سکھوں کی مذہبی کتاب گروگرنتھ صاحب کا ترجمہ کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی جسے اس نے مختصر مدت میں مکمل کر لیا۔

۱۸۷۳ء میں اسے میونخ میں سامی زبانوں کے پروفیسر کی اسامی مل گئی۔ چناں چہ وہ ایک مرتبہ پھر اپنے وطن جرمنی میں آباد ہو گیا اور ۱۸۸۵ء میں محض ستاون سال کی عمر میں وفات پا گیا۔

ڈاکٹر ارنسٹ ٹرمپ نے شاہ لطیف کے کلام پر تنقید کرتے ہوئے ان کی شاعری کے جو اہم نکات بتائے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ شاہ صاحب کی ہردل عزیزی اور غیر معمولی مقبولیت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی شاعری میں عوامی رنگ کا بہت حقیقت پسندانہ نقشہ کھینچا ہے۔ شاہ صاحب نے زندگی کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ ان کی قوتِ مشاہدہ بہت طاقتور تھی اور وہ پوری صورتِ حال کو باریکیوں سمیت دیکھ لیا کرتے تھے۔ نیز انھوں نے اپنی شاعری کو سیدھی سادھی اور کھردری بنا کر پیش کرنے کی بجائے اسے زیادہ دلچسپ اور معنی خیز بنانے کے لیے قدیم داستانوں کا سہارا لیا ہے۔ چونکہ لوگ ان داستانوں سے پہلے سے واقف تھے، اس لیے انھیں شاہ کے کلام کو سمجھنے میں کسی کاوش کی ضرورت نہ پڑی اور جو لوگ ان کے کلام کو نہ سمجھ پاتے تھے، وہ بھی اس شاعری میں چھپی ہوئی موسیقیت پر سر دُھنتے تھے۔

۲۔ شاہ کے کلام کی بنیاد موسیقی پر استوار ہے اور ان کے پورے کلام کو بہ آسانی موسیقی کی دُھن پر گایا جا سکتا ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری کو عوامی مزاج اور آہنگ سے قریب تر رکھا ہے۔

۳۔ شاہ لطیف کا کلام تصوف کے موضوعات اور مضامین سے بھرا ہوا ہے لیکن انھوں نے اسے قصے کہانیوں اور حقیقی زندگی کے استعاروں میں بیان کیا ہے۔ نیز ان کا تصوف مذہبی عقائد و رسومات کے دائرے میں محصور ہونے کی بجائے عام لوگوں کے درمیان رہنے بسنے کا سبق دیتا ہے۔ چنانچہ ان کے کلام میں انسان دوستی اور سب مذاہب کی یکساں حرمت کا اظہار ہوا ہے۔

۴۔ شاہ لطیف نے قدیم فارسی شعری روایت کے برخلاف ہندی چھند اور تال استعمال کیے ہیں، جو بجائے خود لچک دار اور مترنم ہوتے ہیں۔ اس سے ان کے بیان کردہ مضامین بھی ترنم خیز بن جاتے ہیں۔

۵۔ شاہ لطیف نے عوامی زندگی کی عکاسی بہت قریب سے کی ہے۔ میلوں ٹھیلوں کی فضا اور عام لوگوں کے تہواروں، رسومات اور زندگی کے چلن کو حقیقت پسندانہ طور پر بیان کیا ہے جو سندھی شاعری میں ایک نئی چیز تھی۔

ارنسٹ ٹرمپ نے شاہ جو رسالو کو سرکاری طور پر منظور شدہ رسم الخط میں ترتیب دینے کی بجائے قدیم مروّجہ رسم الخط میں شائع کیا تھا۔

ڈاکٹر ارنسٹ ٹرمپ نے شاہ جو رسالو کے علاوہ سندھی زبان و ادب کے لیے جو خدمات انجام دیں، ان کا اختصار حسب ذیل ہے:

1. A Sindhi Reading Book in Sanscrit & Characters, London, 1858

۲۔ ۱۸۶۱-۱۸۶۲ء میں ایک جرمن رسالے میں سندھی زبان، شاہ عبداللطیف بھٹائی اور اُن کے کلام کی بابت دو طویل

مضامین لکھے۔

۳۔ ۱۸۷۲ء میں اپنی مرتب کردہ سندھی گرائمر کی کتاب شائع کی، جس کا عنوان تھا:

Grammer of Sindhi Language Compared with Sanscrit, Prakrit and Cognate Indian Vernaculars.

۴۔ ۱۸۸۶ء میں جنرل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی کی اکیسویں جلد میں سندھی زبان پر مضمون Grammer of Sindhi Language لکھا۔

سندھی بولی کے بارے میں ڈاکٹر ٹرمپ کا نظریہ تھا کہ سندھی بولی خالص سنسکرت ہی سے نکلی، جس میں بعد میں آنے والے ماہرینِ لسانیات نے اختلاف کا اظہار بھی کیا ہے۔

## سر جارج ابراہم گریرسن (Sir George Abraham Griarson)

ہندوستانی لسانیات کی تحقیق و تدوین میں سر جارج ابراہم گریرسن کا غیر معمولی حصہ رہا ہے۔ اس کی کتاب ''لنگوسٹک سروے آف انڈیا'' (Linguistic Survey of India) جیسے بے مثال تحقیقی کارنامے نے اسے عالمی لسانیات کی تاریخ میں زندۂ جاوید کر دیا ہے۔ اس نے ہندوستان کی کم و بیش پانچ سو زبانوں پر کام کیا اور ان کی تاریخ، ماہیت اور امکانات کی بابت تفصیلی مضامین مرتب کیے اور ان زبانوں کے لوک ادب اور اہم کتابوں پر تنقید و تبصرے بھی لکھے۔ وہ بے شک لسانیات کے میدان میں نہایت اور اہم نظریہ ساز عالم تھا۔ اس کے اہم کارناموں کی تفاصیل کم و بیش بارہ فل اسکیپ صفحات پر مشتمل ہے۔

ابراہم جارج گریرسن ڈبلن میں ۱۸۵۱ء میں پیدا ہوا تھا اور ۱۸۷۱ء میں اس نے انڈین سول سروس کا امتحان پاس کر لیا تھا۔ ٹرینٹی کالج اور یونی ورسٹی میں اس نے سنسکرت اور ہندوستان زبانوں پر مضمون لکھ کر انعام حاصل کیا تھا جس سے لسانیات کے موضوع میں اس کی خاص دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے۔

وہ ۱۸۷۳ء میں ہندوستان پہنچا اور مختلف اسامیوں پر ہندوستان کے متعدد مقامات پر خدمات انجام دیں۔ ہر جگہ اسے عام لوگوں سے ملنے جلنے اور ان کی بولیوں کو سننے سمجھنے کے مواقع حاصل ہوئے جس سے نہ صرف اس کے ذوقِ لسانیات کی تشکیل ہوتی رہی بل کہ اسے ان زبانوں کی بابت براہِ راست معلومات بھی فراہم ہوئیں۔ چناں چہ ۱۸۹۸ء میں جب اسے ''لنگوسٹک سروے آف انڈیا'' (Linguistic Survey of India) کا انچارج مقرر کیا گیا تو وہ پہلے ہی ہندوستان کی بہت سی زبانوں سے بخوبی متعارف تھا۔ اس نے تیس سال تک ہندوستانی زبانوں کے معاملات کی چھان پھٹک کی ہے جن میں سندھی زبان بھی شامل رہی ہے۔

لنگوسٹک سروے آف انڈیا کی جلد آٹھ کے پہلے حصے میں ''سندھی اور لھندا'' زبانوں کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ یہ جلد ۱۹۱۹ء میں اشاعت پذیر ہوئی تھی لیکن سندھی زبان کے بارے میں گریرسن اپنے تفصیلی خیالات کا اظہار پہلے ہی کر چکا تھا۔ چناں چہ اس کے خیالات کی روشنی میں ماہرینِ لسانیات کے درمیان ان نظریات و خیالات پر مسلسل مباحثہ ہوتا رہا ہے جو اس نے بالخصوص سندھی زبان کی اصلیت، ماہیت، تاریخ، صوتیات اور لفظوں وغیرہ کی ساخت کے بارے میں پیش کیے تھے۔ گریرسن سندھی زبان کو ہند آریائی زبانوں کے شمال مغربی گروپ میں شامل کرتا ہے۔

گریرسن کا خیال تھا کہ آرین ہندوستان میں مختلف گروہوں کی صورت میں آئے تھے اور ان کی آمد کے درمیان صدیوں کا فاصلہ رہا ہے۔ جب آرین کا پہلا گروہ ہندوستان میں وارد ہوا تو اس نے ہندوستان میں قدیم آباد دراوڑی قوموں کو دکن کی

طرف مار بھگایا اور خود ہندوستان کے شمالی میدانی علاقے یعنی گنگ وجمن کی وادی پر قابض ہو گئے۔ کیوں کہ یہاں پانی کے وافر ذخائر اور ہری بھری چراگاہیں موجود تھیں۔ اور جب دوسرا گروہ حملہ آور ہوا تو اس نے وہی برتاؤ اپنے پیش رووں کے ساتھ کیا یعنی وارد گروہ نے قدیم قابضین کو گنگ وجمن کی وادی سے جبراً بے دخل کر دیا اور ہزیمت خوردہ پہلا گروہ جنوب کی طرف جانے کی بجائے شمال مغربی علاقے یعنی وادی سندھ اور پنجاب کے علاقے کی طرف پھیل گئے۔ وہ سندھی کو وارچڈ نامی اپ بھرنش کی پروردہ زبان قرار دیتا ہے۔ گریرسن کا یہ لسانی نظریہ ہمیشہ معرضِ بحث میں رہا ہے۔

اس نے سندھی زبان کی قدیم ساخت کے بارے میں بڑی محنت سے تجزیاتی مطالعہ پیش کیا تھا اور سندھ میں رائج مختلف لہجوں کے فرق بھی سمجھائے تھے۔

عربی اور فارسی طرز تحریر کے ساتھ ساتھ دیوناگری رسم الخط کے نمونے بھی پیش کیے تھے جو مدتِ مدید سے سندھ کے مختلف علاقوں اور گروہوں میں رائج رہے ہیں۔ اس نے سندھی، سرائیکی اور پنجابی زبانوں کے درمیان باہمی ارتباط اور رشتوں کی طرف اشارہ کیا تھا اور کچھ، گجرات اور بلوچستان کے علاقوں میں بولی جانے والی بولیوں سے اس کے تعلق کی طرف توجہ دلائی تھی۔

گریرسن کا مطالعہ بہت وسیع النوع تھا اور اس نے لسانیات کی تمام شاخوں میں کمال حاصل کیا تھا۔ وہ Historical Linguisticاور Descriptive Linguistics کا بھی ماہر تھا اور Philologyیعنی علم اللسان اور علم الانسان (Anthropology) میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ چناں چہ کسی زبان کے بارے میں مطالعے کرتے ہوئے وہ اس زبان کے دستیاب آثار و شواہد کو ضرور نظر میں رکھتا تھا۔ گریرسن نے سندھی حروف اور رسم الخط کی بابت لکھا تھا:

> It's proper alphabet is Lahanda, which as usual varies from place to place and is legible with difficulty. The Gurmukhi & Nagri alphabet, with several additional letters for the sounds peculiar to the language is the one now in gerneral use.

گریرسن سندھی زبان کی وچولی شاخ کو معیاری زبان گردانتا ہے جس میں بالعموم سندھی زبان کا ادب لکھا گیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:

> The standard, or Vicholi, dialect of Sindhi is that spoken in Vicholi, which may be taken to mean roughly the country around Hyderabad.

گریرسن نے سندھی زبان کی گرائمر پر بھی تفصیلی نگاہ ڈالی ہے اور ناتھن، اسٹیک، اسٹوک، ارنسٹ ٹرمپ، جان بیمس کے نظریات پر بھی بحث کی ہے۔

بے شک ہندوستانی لسانیات کے باب میں گریرسن کا نام ہمیشہ زندہ و پائندہ رہے گا۔

## جان بیمس (John Beams)

انگریز بیوروکریسی نے جو چند ایک ماہرینِ لسانیات پیدا کیے تھے، ان میں جان بیمس کا نام بھی شامل ہے۔ جان بیمس لندن کے قریب واقع قصبے گرین وچ میں ۲ جون ۱۸۳۷ء میں پیدا ہوا تھا اور ۱۸۵۸ء میں انڈین سول سروس میں منتخب ہوا تھا۔ دوران ملازمت اسے زیادہ تر بنگال اور پنجاب کے علاقوں میں رہنے کے مواقع حاصل ہوئے تھے لیکن اس نے ہندوستان کے

دوسرے علاقوں کے سفر بھی کیے تھے۔ اجنبی زبانیں سیکھنے کا شوق اسے شروع ہی سے تھا اور دوسری زبانوں کو جلد از جلد سیکھ لینے کی صلاحیت اسے اس درجہ ودیعت ہوئی تھی کہ وہ انھیں مہینوں نہیں بل کہ ہفتوں میں سیکھ لیا کرتا تھا۔ چناں چہ اس نے یادداشت میں لکھا ہے کہ لندن سے کلکتہ تک کے سفر میں اس کی دوستی دو اسپینی باشندوں سے ہوگئی اور اس نے چند ہفتوں کی مدت میں ان سے اس قدر اسپینی زبان سیکھ لی کہ بلا تکلف گفتگو کرنے کے قابل ہو گیا تھا۔ اس نے ہندوستان میں رہ کر بنگالی، سنسکرت، ہندی، پنجابی اور سندھی وغیرہ اس حد تک سیکھ لی تھی کہ ان کا ماہرانہ تجزیہ اور اظہارِ خیال کر سکتا تھا۔ وہ ہندوستانی زبانوں کے علاوہ عربی، فارسی، جرمن، اسپینی اور فرانسیسی زبانیں بھی خود اچھی طرح جانتا تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ وہ تمام علاقوں میں جا کر لوگوں کو مقامی زبانیں بولتے ہوئے سنتا اور ان کے لب و لہجے پر غور کیا کرتا تھا۔ لیکن تاریخ اس بات کے شواہد پیش نہیں کرتی جس سے سندھ میں اس قصد کے لیے اس کی آمد ثابت ہوتی ہو۔

جان بیمس نے اپنی مشہور عالم کتاب Comparative Grammer of Modern Aryan Language (آرین ماڈرن زبانوں کی تقابلی گرائمر) میں لکھا ہے کہ ''تاریخی اعتبار سے اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ آرین کے ورود سے قبل ہندوستان میں دراوڑ نسل کی بعض قومیں آباد تھیں جو غالباً افریقا، آسٹریلیا اور یورپ کے دور افتادہ علاقوں سے آئی تھیں اور جو ایسی بولیاں بولتے تھے جن کا تعلق تورانین فیملی (Turanian family) سے تھا۔ یہ بات قرینِ قیاس نہیں کہ آرین نے آکر ہندوستان کی قدیم اقوام کو تہ تیغ کر ڈالا ہو بل کہ اس کے برعکس انھوں نے دراوڑی قوموں کو اپنا غلام اور داس بنا کر رکھا ہوگا جس کا ذکر قدیم تاریخی اور مذہبی کتابوں میں بھی ملتا ہے۔'' بیمس لکھتا ہے کہ عربوں نے دراوڑی قوموں کے ساتھ جو سلوک بھی کیا ہو لیکن وہ اپنی زبان کو دراوڑی زبانوں کے اثرات سے نہیں بچا سکتے تھے۔ ماہرینِ لسانیات اس بات سے کسی حد تک اتفاق کرتے ہیں کہ ہند آریائی زبانیں بل کہ سنسکرت بھی دراوڑی زبانوں کے اثرات سے خود کو محفوظ نہ رکھ سکیں۔ جارج بیمس جدید ہند آریائی زبانوں کے ارتقائی عہد کا تعین کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ آرین جو زبانیں بولتے ہوئے ہندوستان آئے انھیں مقامی زبانوں کے ساتھ مل کر ارتقا کرتے ہوئے ڈھائی ہزار سال کا زمانہ بیت چکا ہے، جسے وہ تین ادوار میں تقسیم کرتا ہے:

۱۔ پہلا دور سنسکرت اور اس کی ہم عصر زبانوں کے وجود میں آنے اور ترقی پانے کا دور ہے۔
۲۔ دوسرا پراکرتوں کا دور ہے، اور
۳۔ تیسرا دور اپ بھرنشوں کا دور ہے۔

اس کے مطابق پہلا دور ۱۵۰۰ قبل مسیح سے ۵۰۰ قبل مسیح تک کا دور ہے۔ دوسرا ۵۰۰ قبل مسیح سے ۶۰۰ عیسوی تک کا دور ہے اور تیسرا دور ۶۰۰ سے ۱۰۰۰ عیسوی تک کا دور ہے۔

> "In chronological sequence, therefore, we may place the Hindi with its subsidiary forms, Gujrati and Punjabi, first fixing the rise and establishment of modern languages, distinct for then previous existance as Prakrits, in the eleventh century."
>
> "Sindhi having very little literature and no fix system of writing remains a mystry. Its rise and development were independent of all other languages and I can not determine it's place in sequence."

جارج بیمس کا لسانی نظریہ دراصل ہند آریائی زبانوں کے درمیان ارتقائی عمل کے تقابلی مطالعے پر مشتمل ہے جسے کسی بھی دوسرے لسانی نظریے نے مسترد نہیں کیا ہے۔

مذکورہ بالا کتاب کے علاوہ اس کی دوسری کتاب بھی اسی قدر اہمیت کی حامل ہے جو ۱۸۶۷ء میں Outlines of Indian Philology کے نام سے شائع ہوئی۔

## سر رالف للّی ٹرنر (Sir R.L.Turner)

برطانوی نژاد رالف ایل ٹرنر ۱۸۸۵ء میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا باپ جارج ٹرنر بھی عالم و فاضل شخص تھا اور اپنی علمیت کی بنیاد پر آرڈر آف برٹش امپائر کا اعزاز حاصل کر چکا تھا۔ رالف ٹرنر ۱۹۱۲ء میں انڈین ایجوکیشنل سروس سے منسلک ہوا تھا اور بنارس کے کوئنس کالج میں سنسکرت کا استاد مقرر ہوا تھا۔ وہ دوبار یعنی ۱۹۱۴ء اور ۱۹۲۶ء میں بمبئی یونی ورسٹی میں فلالوجیکل لیکچرر مقرر رہا اور ۱۹۲۰ء میں بنارس ہندو یونی ورسٹی میں پروفیسر آف لنگوسٹکس مقرر ہوا۔ کچھ عرصے لندن یونی ورسٹی آف اورینٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز کے ڈائریکٹر کے عہدے پر بھی فائز رہا۔ وہ ''رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف انڈیا''، ''سوسائٹی آف لنگوسٹکس، پیرس'' اور ''لنگوسٹک سوسائٹی آف انڈیا'' جیسے عالمی شہرت یافتہ اداروں کا ممبر رہا ہے جس سے علم اللسانیت میں ٹرنر کی اہمیت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ٹرنر کی مستقل کتابوں میں سے سب سے اہم اور مشہور کتاب ''انڈو آرین زبانوں کی تقابلی ڈکشنری'' (A Comparative Dictionary of Indo-Aryan Languages) ہے۔

اس کتاب کا مواد جمع کرنے میں اس نے عمر عزیز کے چالیس سال صرف کیے تھے۔ اس کتاب کے علاوہ اس کے متعدد تحقیقی مقالے (۱) انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا (۲) جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی (۳) کلاسیکل ریویو (۴) بلیٹن آف اسکول آف اورینٹل سوسائٹی وغیرہ میں شائع ہو چکے تھے۔

سندھی زبان کے بارے میں ٹرنر نے کم از کم تین اہم مقالے لکھے تھے جن میں سندھی زبان میں صوتیات کے مسائل سے بحث کی گئی تھی۔

ٹرنر کا خیال تھا کہ زبانوں کی اندرونی ساخت میں وقت کے دباؤ کے زیر اثر انقلابی تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں جو کہ ایک فطری عمل ہے اور جس کو روکنے سے زبان کی فطری نشو و نما متاثر ہوتی ہے۔ اس نے کہا تھا کہ سنسکرت زبان بھی ہزاروں برس سے اندرونی تبدیلی سے گزرتی رہی ہے اور اس تبدیلی کے نتیجے میں بعض مقامی زبانیں پیدا ہوتی رہی ہیں جو پچھلی سنسکرت سے جداگانہ مزاج بھی رکھتی ہیں اور سنسکرت کی بعض بنیادی خصوصیت بھی۔

ٹرنر نے سندھی زبان کی اندرونی ساخت اور دوسری زبانوں کے میل جول کے نتیجے میں ہونے والی تبدیلیوں کی بطور خاص نشان دہی کی تھی۔

## سر رچرڈ ایف برٹن (۱۸۹۰ء۔۱۸۲۱ء)

رچرڈ فرانسس برٹن برطانوی کالونیل ادب میں منفرد اہمیت اور شہرت کا مالک ہے۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹینیکا (Encyclopedia Britanica) کی فراہم کردہ اطلاعات کے مطابق وہ ایک اولوالعزم سیاح (Traveller)، مستشرق (Orientalist)، ماہر لسانیات (Linguist)، ماہر بشریات (Anthropologist)، محقق (Explorer)، سفارت کار (Diplomate)، ماہر آثار قدیمہ (Archoeologist) اور مصنف (Author) تھا۔ اس کی تصنیف و

تالیف کی طویل فہرست میں کم از کم پچاس سے زائد معرکۃ الآرا کتابیں مختلف موضوعات پر شامل ہیں۔ علمی دنیا کا شاید ہی کوئی ایسا موضوع ہوگا جس پر رچرڈ ایف برٹن نے اظہارِ خیال نہ کیا ہو۔ اس نے عربی ادب کی معرکۃ الآرا کتاب الف لیلیٰ کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا جو بجائے خود ایک عظیم الشان کام تھا۔ رچرڈ برٹن نے ہندوستان، عرب، افریقا اور جنوبی امریکی پس منظر رکھنے والے اہم موضوعات پر کتابیں لکھی ہیں جو اپنے اپنے موضوعات پر وقیع اور اہم سمجھی جاتی ہیں۔

سندھ اور وادیِ سندھ پر رچرڈ برٹن نے چار ضخیم کتابیں لکھی ہیں جو درج ذیل ہیں:

1. Scinde or unhappy Valley. (Two Volumes.1851 A.D)
2. Sindh and the Races that inhabit the Vally of Indus. (1851 A.D)
3. Scinde Revisited. (Two Volumes,1877,A.D)
4. Falconry in the Valley of Indus. (1852)

مذکورہ بالا کتابوں میں رچرڈ ایف برٹن نے وادی سندھ اور باشندگانِ سندھ کے بابت انیسویں صدی میں موجود حقائق پر روشنی ڈالی ہے اور اس ضمن میں سندھ کے جغرافیائی حقائق، تاریخی تناظر، سیاسی و معاشی زبوں حالی اور اخلاقی ابتری کو مبالغہ آمیز انداز میں بیان کیا ہے۔ اگرچہ ان تحریروں کا یہ اثر ضرور ہوا ہے کہ سندھ سے باہر کی دنیا کو پہلی مرتبہ سندھ کے بارے میں حقائق جاننے کا موقع ملا تھا لیکن ان کتابوں کے اصل قارئین برطانوی سول سروس کے ممبران ہوتے تھے جن کے لیے رچرڈ برٹن کی کتابوں کے مطالعے کو ضروری قرار دے دیا گیا تھا۔ چناں چہ سراج میمن نے رچرڈ برٹن کی کتابوں پر شدید تنقید کرتے ہوئے انھیں جاسوسی کے آلۂ کار قرار دیا۔ تاکہ ان کے مطالعہ سے برطانوی بیوروکریسی سندھ کی بابت تنگ دلانہ پالیسیاں اختیار کر سکیں۔ سراج میمن نے برٹن کے تیز و تند اور تلخ اندازِ تحریر کو ایک خاص مقصد کا حامل قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ برٹن کا مقصد سندھ کے حالات و واقعات کو اس انداز سے پیش کرنا تھا جس کے مطالعے سے سندھ اور سندھ کے عوام کے بارے میں ایک موہوم خوف پیدا ہو۔ لیکن اس کے باوجود رچرڈ برٹن کی حقیقت نگاری اور تاریخی اہمیت سے انکار نہیں کیا گیا ہے۔ چناں چہ سراج میمن نے برٹن کی کتاب Sindh Revisited کے تازہ ایڈیشن پر جو حکومتِ سندھ کے ڈپارٹمنٹ آف کلچر نے شائع کیا ہے، لکھا ہے:

> This is a very fair comment, enimently applicatable to "Sindh Revisited." But that, in itself, does not diminish its value a source book, turst worthy or dubious , for a student of history of Sindh. We should not be too touchy of adverse comments on our culture & history. If we are a nation which is alive to its real history and its real culture and civilisation, it can always turn table on untruth such as those of Sir Burton. In that respect, the department of culture, Govt. of Sindh which has initiated a scheme of reprinting old records on Sindh has rendered service to the people of Sindh.

چناں چہ رچرڈ برٹن کی مذکورہ بالا کتابیں سندھ اور باشندگانِ سندھ کے بارے میں ان کی تاریخ اور ثقافت کی بابت ایک خاص نکتہ نظر کے ساتھ تلخ ترین حقائق پر مشتمل ہیں اور انہیں سندھ کے بارے میں بنیادی ماخذات کی حیثیت حاصل ہے۔

رچرڈ برٹن پہلی بار ۱۸۴۲ء میں بمبئی آیا تھا اور وہاں مختصر سی مدت میں اس نے سندھی زبان اور ملتانی بولی میں شدھ بدھ پیدا کر لی تھی۔ اور سندھ کے حالات واقعات کی بابت ابتدائی معلومات حاصل کر لی تھیں۔ جلد ہی بمبئی ریزیڈنسی کے محکمۂ سروے میں اسسٹنٹ سروے آفیسر کی اسامی پر اس کا تقرر ہو گیا اور اس نے سندھ کے سروے کے کام کا آغاز کیا۔ سندھ اور باشندگانِ سندھ کے بارے میں اس کی پیش کردہ خفیہ رپورٹوں کو سرکاری حلقوں میں خصوصی اہمیت حاصل تھی۔ بعد میں اس طرح کی دو رپورٹیں شائع بھی کی گئی تھیں جن سے عام لوگوں کو سندھ کے بارے میں تازہ اور تفصیلی حقائق کا علم ہوا۔ ظاہر ہے ان رپورٹوں میں اس کا نقطۂ نظر ایک سرکاری اہل کار ہی کا ہے جس نے ہر صورت میں تاجِ برطانیہ کے مفادات کی نگرانی کرنا تھا۔ چناں چہ ایک وقوعہ نگار کی حیثیت سے اس نے سندھ کے بارے میں زمینی حقائق بیان کرنے میں بھی انگریزوں کے نقطۂ نظر کو فوقیت دی ہے اور وادیِ سندھ، یہاں کے عوام، ان کے عادات واطوار، اخلاق، طرزِ زندگی، ان کے وسائل اور مسائل اور اردگرد کی بابت یا تو یک طرفہ ہوتا ہے یا کسی قدر شدت پسند، جہاں وہ معاشرتی حقائق پر اظہارِ خیال کرتا ہے اور سندھ کے عوام، غریب لوگوں کی زبوں حالی کے نقشے کھینچ رہا ہوتا ہے اور سندھی عوام کی زبوں حالی اور نکبت کا بڑا سبب یہاں کے اہل جاگیرداروں، زمین داروں اور حکمرانوں کو قرار دیتا ہے تو وہ حقیقت کی ترجمانی کر رہا ہوتا ہے جو تلخ بھی ہے اور مایوس کن بھی۔ لیکن جب وہ عام کسانوں اور محنت کشوں کی عادات واطوار کا تذکرہ کرتا ہوتا ہے تو معروضی وجوہات اور حقائق سے صرفِ نگاہ کرتا ہے اور کسی ایک آدھ مثال کو معیار بنا کر فیصلہ صادر کر دیتا ہے۔ یہ رچرڈ برٹن ہی تھا جس نے وادی سندھ کو وادی نیل سے تشبیہ دیتے ہوئے ''Young Egypt'' کہا تھا اور سندھ کو ''اداس وادی'' ''Un - happy Valley'' کا خطاب دیا تھا جس سے اس کا اشارہ سندھ کے عوام کی خستہ حالی کی طرف کر رہا ہے۔ اس نے سندھ میں بکھرے ہوئے وسیع امکانات اور وسائل پر بھی روشنی ڈالی ہے اور اس امر پر افسوس کا اظہار کیا ہے کہ والیانِ سندھ نے کبھی کسی دور میں عوامی فلاح و بہبود کے لیے کوئی تعمیری کام سرانجام نہیں دیا اور ان کی زیادہ تر توجہ امیرانہ شان و شوکت، عیش پرستی اور اپنی شکارگاہوں کی تزئین و ترقی میں صرف ہو جاتی تھی۔ بے شک رچرڈ برٹن کا لب و لہجہ خاصا طنزیہ اور کہیں کہیں اہانت آمیز بھی محسوس ہوتا ہے لیکن اس نے جس سطح پر جا کر سندھ کے روز و شب اور عوامی حالات کا نقشہ کھینچا ہے اور بیرونی دنیا کو سندھ کے منظرنامے دکھلائے ہیں، انہوں نے حکومتی اداروں کی توجہ سندھ کے مسائل کی طرف مبذول کرانے میں یقیناً کوئی نہ کوئی کردار ضرور ادا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رچرڈ برٹن کی کتابیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مقبول سے مقبول تر ہوتی جاتی ہیں۔

### سر ہنری میئرس ایلیٹ (۱۸۰۸ء۔۱۸۸۵ء)

ہنری میئرس ایلیٹ ۱۸۰۸ء میں پیدا ہوا تھا۔ ابھی وہ زیرِ تعلیم ہی تھا کہ ہندوستان میں برطانوی استعماریت کی تیز رفتار فتوحات اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے پھیلتے ہوئے کاروبار کو چلانے کے لیے انگریز اہل کاروں کی کمی محسوس کی جانے لگی۔ چناں چہ ہر واجبی پڑھے لکھے، انگلش نوجوان کے سامنے ہندوستان میں بہتر سے بہتر ملازمت کے امکانات روشن تھے۔ ہنری ایلیٹ کو اس کے شاندار تعلیمی ریکارڈ اور بالخصوص مشرقی زبانوں اور ثقافتوں کے بارے میں اس کے وفورِ شوق کے پیشِ نظر براہِ راست برطانوی اہل کار کی حیثیت سے ہندوستان میں اس کا تقرر عمل میں آ گیا۔ اس کی پہلی پوسٹن بریلی کے کلکٹر اور مجسٹریٹ کے اسسٹنٹ کی حیثیت سے ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ کم و بیش پچیس سال شمال مغربی ہندوستان کے مختلف مقامات اور حیثیتوں میں برطانوی سول سروس کے اہم کارندے کے فرائض انجام دیتا رہا۔ اس عرصے میں اس کی علمی و ادبی سرگرمیاں بھی جاری رہیں۔ بالخصوص قدیم ہندوستان کی تاریخ سے اسے خصوصی شغف تھا۔ وادیِ سندھ کے بارے میں اس کی کتاب "History of Sindh by its own Historian" نہایت معلومات افزا اور دل چسپ ثابت ہوئی، کیوں کہ اس میں ایلیٹ نے سندھ

کے بابت قدیم سے قدیم ترین ذخیرۂ معلومات کو یک جا کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے قدیم ترین عربی مورخوں کی تحریروں سے اور سیاحوں کی یادداشت کے وہ حصے جمع کر دیے ہیں جن میں سندھ اور ساکنانِ سندھ کے عادات واطوار، رہن سہن، تہذیب وثقافت، سیاسی، معاشی ومعاشرتی اوراخلاقی صورتِ حال، بادشاہوں اور حکمرانوں کے نام، ادوار اور طریقۂ حکمرانی کے بارے میں معلومات جمع کر دی ہیں۔ اس کتاب میں سندھ کے بارے میں قدیم عرب جغرافیہ دانوں کی فراہم کردہ اطلاعات جن سے قدیم سندھ کے شہروں، راستوں اور جغرافیائی کیفیت کا حال معلوم ہوتا ہے، شامل کیے ہیں۔ ان جغرافیہ دانوں میں تجار سلمان اور ابوزید کی سیاحتی یادداشتوں میں سندھ اور چین کے بارے میں فراہم کردہ اطلاعات شامل ہیں۔ المسعودی، الاصطخری، ابن ہوقل اور دوسرے لوگوں کی تحریروں سے بھی ضروری اقتباسات دیے گئے ہیں۔

ایلیٹ نے سندھ پر قدیم تاریخ میں پائی جانے والی شہادتیں بھی جمع کی ہیں۔ چناں چہ ایک لحاظ سے ایلیٹ کی مذکورہ کتاب سندھ کی تاریخ کے بارے میں نہایت اہم ماخذ قرار دی جاسکتی ہے۔ جس میں متعدد ماخذات کی فراہم کردہ اطلاعات اوران پر عالمانہ تبصرے موجود ہیں۔

اس نے سندھ کی تاریخ کے سترہ بنیادی ماخذات کے حوالے دیئے ہیں جن میں سے ہر ایک خصوصی توجہ چاہتا ہے۔ اس نے پانچ قدیم حکومتوں کی بابت مورخوں کی فراہم کردہ اطلاعات کا جائزہ لیا ہے جن کا تعلق چوتھی پانچویں صدی عیسوی سے تھا۔ عربوں کی آمد سے قبل رائے خاندان اور برہمن خاندان کے ادوار کی بابت معلوم اطلاعات کومختلف ذرائع کی روشنی میں جانچا ہے اور عربوں کی آمد اوران کے بعد سندھ کی سیاسی وتاریخی صورت کا جائزہ لیا ہے۔ سومرہ دور، سمہ دور، ارغون دور، ترخان اور مغلوں کی ظالمانہ کارروائیوں اور شاہ بیگ ارغون کی موت تک کے حالات اس کے مطالعے کا حصہ بنے ہیں۔ ایلیٹ نے دو درجن سے زائد قدیم شہروں کے حالات بھی پیش کیے ہیں جن سے وادیِ سندھ کے قدیم معاشرے اور طرزِ زندگی کی عملی صورت سامنے آئی ہے۔ ایلیٹ نے مختلف ادوار میں جنگوں کے طریقِ کار، فوجوں کی تفاصیل اور سفارتوں کے طریقوں پر بھی اظہارِ خیال کیا ہے، اس نے سندھ میں بدھ مت کے زوال اور سندھ کے قدیم قبائل کے بارے میں بھی اطلاعات فراہم کی ہیں۔

ایلیٹ کی مذکورہ کتاب کے مطالعے سے ''چچ نامہ'' اور ''بیگلارنامہ'' کی اہمیت سندھ کے قدیم تاریخی ماخذ کے طور پر مستحکم ہوجاتی ہے۔

ایلیٹ کی سب سے بڑی خوبی اس کا عالمانہ انداز اور ہمدردانہ رویہ ہے۔ وہ سندھ کی بابت مورخوں کی فراہم کردہ اطلاعات کونہایت خوبی کے ساتھ جانچتا ہے۔

### ای بی ایسٹ وک (E.B.Eastwick)

ای بی ایسٹ وک بھی بنیادی طور پر تاجِ برطانیہ کے خدمت گزاروں میں تھا لیکن اس نے اپنی کتاب "A Glance at Sind before Napier or dry leaves from young Egypt" میں دوسرے انگریز اہل کاروں سے مختلف اور منفرد رویہ اختیار کیا ہے۔ سندھ کے بارے میں برطانوی سول سروس اور فوجی ملازموں کی یادداشتیں جوانھوں نے ملازمت سے سبک دوش ہونے کے بعد شائع کی ہیں، بالعموم جانب دارانہ نقطۂ نظر پیش کرتی ہیں اوران میں سندھ اور ساکنانِ سندھ کے بارے میں حالات کا جائزہ انگریزوں کی پالیسی کے پیشِ نظر لیا گیا ہے اور کوشش کی گئی ہے کہ سندھ کے ساتھ ایسٹ انڈیا کمپنی اور برطانوی حکومت کی زیادتیوں اور تگ وتاز پر مکمل طور پر پردہ ڈال دیا جائے یا کم از کم انھیں اس انداز سے پیش کیا جائے کہ ان کی سندھ میں رائج حکمتِ عملی کا جواز فراہم ہوجائے۔ ان کتابوں میں بالعموم ہر ممکنہ برائیوں کوسندھ اور سندھیوں

سے وابستہ کر دیا گیا ہے تاکہ انگریزوں کے نام نہاد کارناموں کو نمایاں کیا جا سکے۔ ظاہر ہے ہم ان انگریز اہلِ کاروں سے جو کسی نہ کسی طور پر انگریز مفادات سے وابستہ تھے، کسی قسم کی انصاف طلبی اور غیر جانب دارانہ رویے کی توقع نہیں کر سکتے تھے۔

ایسٹ وک کی مذکورہ تحریر اس اعتبار سے منفرد ہے کہ اس میں پہلی مرتبہ کسی سابق انگریز اہل کار نے کھل کر اور بلا کسی خوف اور مصلحت کے سندھ، باشندگانِ سندھ اور خاص طور پر والیانِ سندھ کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں، وعدہ خلافیوں، گھناؤنی سازشوں، غیر اخلاقی جرائم اور انگریز حاکموں کے غیر منصفانہ اقدامات اور پالیسیوں کا پردہ چاک کیا ہے اور سندھ کی نام نہاد فتح کے بعد انگریزوں نے حیدرآباد اور خیرپور کے تالپور حکمرانوں اور ان کے متعلقین کے ساتھ جو بہیمانہ سلوک کیا ہے اس کی نہ صرف مذمت کی ہے بل کہ سندھ کی سیاست میں انگریزوں کی درپردہ سازشوں کا انکشاف کر کے عام برطانوی عوام کو اصل صورتِ حال سے آگاہ کیا ہے۔ اس کتاب میں ایک باب کا اضافہ اس اپیل کی صورت میں کیا گیا ہے کہ جو میرانِ سندھ کی بابت سے تاجِ برطانیہ کی خدمت میں پیش کی گئی تھی۔

ایسٹ وک نے اپنی کتاب کے پہلے ایڈیشن کے دیباچے میں لکھا تھا:

> میں نے اپنی یادداشتوں کو اس توقع کے ساتھ لکھنا شروع کیا تھا کہ خیر پور کے میروں کے ساتھ انگریزوں نے جو بے رحمانہ سلوک کیا تھا، اس کا کچھ مداوا ہو جائے۔ جارح ہونے کی حیثیت میں تو ہمیں ان سے ایسا ناقابلِ برداشت سلوک قطعی نہ کرنا چاہیے تھا۔ ہمارے دلوں میں سندھ کے حکمرانوں کے بارے میں جو بغض اور کینہ بھرا ہوا ہے، اس کا اندازہ سرکاری ریکارڈ ''بلیو بک'' میں مندرجہ ذیل باتوں سے لگایا جا سکتا ہے۔ میں نے یہ سوچ کر کہ ہم سندھ کے حکمرانوں کے معاملے میں کسی منصفانہ طرزِ عمل کا اظہار کرنے سے قاصر ہیں، ہاتھ سے قلم رکھ دیا تھا لیکن اسی اثنا میں اطلاعات پہنچیں کہ ہمارے عزیز دوست میر صوب دار خاں، ان کی والدہ اور بڑے صاحب زادے قید کی سختیاں اور بنگال کی غیر صحت مند آب و ہوا کا شکار ہو کر ہلاک ہو گئے ہیں۔ میں نے ضروری سمجھا کہ عوامی رائے عامہ سے ایک مرتبہ پھر اپیل کی جائے کہ وہ اصل حقائق کو جانیں اور زندہ بچ رہنے والے قیدیوں سے کم از کم انسانی سلوک کی حوصلہ افزائی کریں۔ یہی سوچ کر میں نے ایک مرتبہ پھر اس موضوع پر قلم اٹھالیا ہے جس کے متعلق آوٹرام صاحب بھی تحریر کر چکے ہیں۔ اگر میں ان بدقسمت لوگوں کے حق میں کسی ایک فرد کی توجہ بھی مبذول کرا سکا جو کبھی تاجِ برطانیہ کے حلیف ہوا کرتے تھے، تو سمجھوں گا کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب رہا ہوں۔

ای بی ایسٹ وک کی مذکورہ کتاب میں ان تمام بدعہدیوں، وعدہ خلافیوں اور معاہدات کی خلاف ورزیوں کی بھی نشان دہی کی گئی ہے جو انگریز حاکموں نے سندھ کے تالپور حکمرانوں کے ساتھ کی تھیں۔ چارلس نیپیئر کے متعصّبانہ رویے اور برطانوی حکومت کو حالات کی غلط تاویلات کی نشان دہی بھی کی تھی۔ اس کتاب میں ایسی دستاویزی شہادتیں بھی بہم کر دی گئی تھیں جن سے میرانِ سندھ کے مقدمے کو تقویت پہنچی تھی۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد تھوڑے ہی عرصے میں حکومتِ برطانیہ کو سندھ کے معاملات کی چھان بین کے لیے تحقیقاتی کمیشن مقرر کرنا پڑا تھا اور میرانِ سندھ کو قید سے باعزت بری کر کے سندھ میں واپس جانے کی اجازت دینی پڑ گئی تھی۔

ایسٹ وک ۱۸۱۴ء میں ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوا تھا جس کے افراد مدت سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد اسے کمپنی بہادر کی باقاعدہ فوج میں اسامی مل گئی تھی اور بمبئی کی چھٹی نیٹو انفنٹری میں تقرر ہو گیا۔ اس نے جلد ہی فارسی اور ہندوستان کی دوسری زبانوں میں مہارت حاصل کر کے خود کو 'ڈپلومیٹک' خدمات کا اہل ثابت کر دیا تھا۔ چناں چہ ۱۸۳۹ء میں اسے گورنر جنرل آف بنگال کے ملازم کے طور پر سندھ میں قائم پولیٹیکل ڈپارٹمنٹ میں متعین کر دیا گیا۔ یہ

محکمہ اس لیے قائم کیا گیا تھا کہ افغانستان کے سیاسی حالات وواقعات پر نظر رکھی جا سکے اور وہاں روس کے بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ کو محدود کیا جا سکے۔ ساتھ ہی سندھ میں سیاسی وانتظامی معاملات پر زیادہ سے زیادہ کنٹرول حاصل ہو سکے۔ ایسٹ وک کو اپنی سرکاری ذمہ داریوں کی ادائیگی کے دوران ایسی سنسنی خیز معلومات حاصل ہوتی رہتی تھیں جن سے سندھ کے اصل حقائق اور انگریزوں کی نیت کا پتا چلتا رہتا تھا۔

ایسٹ وک ۱۸۴۱ء تک سندھ میں رہا اور خرابیٔ صحت کی وجہ سے وہاں سے واپس چلا گیا۔ بعد کے زمانے میں آؤٹ رام پولیٹیکل ایجنٹ مقرر ہوا اور اس کے بعد سندھ کے سیاسی معاملات کی باگ دوڑ سر چارلس نیپیئر کے ہاتھ میں رہی جس نے سندھ کے بارے میں من مانی کارروائیاں کیں۔ اور دھوکا، فریب اور وعدہ خلافیوں کے ذریعے سندھ کو فتح کر لیا اور سندھ کے تالپور حکمرانوں اور ان کے متعلقین کو قید کر کے کلکتہ روانہ کر دیا گیا جہاں ضعیف میر رستم خاں قید ہی میں انتقال کر گئے۔ آہستہ آہستہ چارلس نیپیئر کے کارنامے منظرِ عام پر آنے لگے تھے اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹران سندھ کے معاملات میں بے چینی کا اظہار کرنے لگے تھے۔ لیکن عملاً قید میں بند میرانِ تالپور کی اپیل رد کر دی گئی تھی۔ اسی اثنا میں ولیم نیپیئر نے 'فتح سندھ' لکھی جس میں یک طرفہ طور پر چارلس نیپیئر کے اقدامات کا دفاع کیا گیا اور اس کے غیر قانونی وغیر اخلاقی اقدامات کے لیے جواز فراہم کیے گئے۔

اس پس منظر میں ایسٹ وک کی یادداشتوں اور مذکورہ کتاب نے نہایت اہم کارنامہ سرانجام دیا اور برطانیہ کی رائے عامہ کی توجہ سندھ کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کی طرف مبذول کرائی۔

## جان جیکب (John Jacob)

سر جان جیکب ۱۱ جنوری ۱۸۱۲ء ولنگٹن سمرسٹ (Walington Somerset) ایک چھوٹے موٹے زمیں دار گھرانے میں پیدا ہوا تھا۔ معروف مستشرق، ادیب اور محقق ایچ ٹی لیمبرگ کی ترتیب دی ہوئی سوانحی اطلاعات کے مطابق اس کی تعلیم مشہور کیڈٹ کالج ایڈرسکومپ (Aderiscomb) میں ہوئی تھی۔ اسے بچپن ہی سے جھوٹی موٹی جنگیں لڑنے اور لکڑی کی تلوار سے تلوار بازی سیکھنے کا شوق تھا اور ابتدا ہی سے اس کی دوستی ان لڑکوں کے ساتھ قائم رہی تھی جو اس کی طرح جنگ جو (Shavelery) جذبات رکھتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کی شخصیت کے دوسرے پہلو بھی نمایاں ہوتے چلے گئے۔ گھڑسواری اور شکار سے اسے خصوصی دل چسپی تھی۔ اسے سمندر پار کی دنیاؤں سے خصوصی دل چسپی اور کشش محسوس ہوتی تھی۔ تعلیم کی تکمیل کے بعد پہلی پوسٹنگ بمبئی میں ہوئی جہاں کم وبیش دس سال تک اس نے فوجی خدمات انجام دیں۔ چند برس سول اور انتظامی ذمہ داریاں بھی انجام دیں۔ اس عہد میں اسے ایک کامیاب شکاری اور ماہر فن گھڑسوار کی شہرت حاصل تھی۔ بمبئی ہی کے قیام کے دوران اس کی ماں کے انتقال کی خبر نے اسے بہت غم ناک اور مایوس کر دیا تھا اور کئی برس وہ انگلستان کے ناسٹلجیا میں تنہائی پسند رہا۔ اسی زمانے میں شاعری کے دبے ہوئے شوق نے ایک مرتبہ پھر سر اُبھارا۔ بائرن اس کا پسندیدہ شاعر تھا۔

۱۸۴۳ء میں فتحِ سندھ کے بعد جان جیکب کو خان گڑھ میں فوجی چھاؤنی قائم کرنے پر مامور کیا گیا تھا۔ اس زمانے میں یہ علاقہ انتہائی بنجر، کوہستانی اور بے آب وگیاہ علاقہ تھا، جہاں قیامت کی گرمی ہوا کرتی تھی لیکن فوجی اور انتظامی اعتبار سے علاقے کی اہمیت بہت زیادہ تھی کہ یہاں سے آزاد بلوچ قبائل پر نظر رکھی جا سکتی تھی۔ بلوچستان، ایران، افغانستان اور سندھ کے درمیان آنے جانے والے تجارتی قافلوں کی حفاظت کرنی ممکن تھی۔ یہاں جان جیکب نے ایک چھوٹے سے مگر خوب صورت گاؤں کی بنیاد ڈالی تھی جو بعد میں جیکب آباد شہر کے نام سے پھیلا اور آباد ہوا۔ جان جیکب نے اس انتظامی پہل کاری سے دیکھتے دیکھتے اس علاقے کو ایک منظم شہری آبادی میں تبدیل کر دیا تھا۔ اس نے سڑکیں بنوائیں اور زرعی آب پاشی کے لیے

کنویں کھدوائے اور بارانی پانی جمع کرنے کے لیے تالاب بنوائے اور ریزروئیر (Reserveer) قائم کیے۔ اس نے قبائلی سرداروں کو نئی بستی اور قرب و جوار میں آباد ہونے پر اکسایا اور لوگوں کو شہری معاشرت اختیار کرنے کے لیے ترغیبات دیں۔ اس کے زمانے کی تعمیر کردہ عمارتیں اب بھی جیکب آباد میں موجود ہیں۔ اس کی بنائی ہوئی عظیم الجثہ خود کار گھڑیال اب بھی حاکم ضلع کے بنگلے میں نصب ہے۔

جان جیکب نے اپنی کارکردگی کی بنا پر ایک اچھے منتظم کی شہرت حاصل کر لی تھی۔ چناں چہ سر بارٹل فریئر کی عدم موجودگی میں اسے ہی سندھ کے کمشنر کا عہدہ تفویض کیا گیا۔ اسے جہاں سے بھی سندھ کی ترقی و خوش حالی کے لیے کام کرنے کے مواقع حاصل ہوئے اس نے اس سے خوب استفادہ کیا اور کم سے کم مدت میں وادیِ سندھ کی صدیوں سے نظر انداز سرزمین کو ایک مربوط نظم و نسق دیا۔ لیکن ان سب باتوں سے ماورا اور افضل جان جیکب کا وہ ہمدردانہ رویہ تھا جس کے تحت اس نے سندھ اور بلوچستان کے لوگوں کی قبائلی زندگی کو سمجھنے اور عام لوگوں کی بہتری کے طریقے سوچنے پر انگریز حاکموں کو اُکسایا۔ اس نے اپنی یادداشتوں میں بلوچستان اور سندھ کے لوگوں کی زندگی، ان کے رسم و رواج، ان کی خوبیوں، خامیوں اور عادتوں کے بابت اپنے مشاہدات لکھے ہیں جنھیں کیپٹن پیلی نے ''سر جان جیکب کے مشاہدات'' (Views and Opinions of General Jacob) کے نام سے مرتب کیا ہے۔ کیپٹن پیلی نے جان جیکب کی متعدد دوسری تحریریں بھی شائع کی ہیں جن میں ''Letter to a Lady'' بھی شامل ہے۔ جان جیکب کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ اس نے سندھی زبان کی ترویج و اشاعت کو سرکاری سطح پر سب سے زیادہ اہمیت دی۔ جب وہ سندھ کا کمشنر مقرر ہوا تو اس نے سندھی رسم الخط میں جو ۱۸۵۳ء میں ''ورنیکلر کمیٹی'' کی سفارش پر جاری کیے گئے تھے، بعض دوررس اصلاحات کیں۔ اس نے عربی اور سندھی رسم الخط میں جو حروف مختلف صورتوں میں لکھے جاتے تھے، ان کی اصلاح کردہ صورت متعین کی تاکہ سندھی عبارت کی لکھائی اور چھپائی میں آسانیاں فراہم کی جاسکیں۔ اصلاح شدہ حروف کے نقشے تیار کرا کر انھیں سکولوں میں جاری کروائے تاکہ جدید رسم الخط جلد از جلد قبولِ عام ہو سکے۔ رسم الخط میں اس کے باوجود بھی کچھ خامیاں باقی رہ گئی تھیں مثلاً ''ئیں'' کے لیے ہمزہ کے نیچے عمودی خط میں دو زیر لگائے جاتے تھے۔ اور ''نون'' کے لیے ہمزہ کے اوپر دو الٹے ('') لگائے جاتے تھے جس کی وجہ سے لکھنے اور پڑھنے میں الجھن پیدا ہوتی تھی۔ چناں چہ بعد ازیں مرزا قلیچ بیگ کے زیرِ نگرانی قائم کردہ کمیٹی نے اس خامی کو دور کر دیا۔

جان جیکب نے اپنے عہد میں ہر چھوٹے بڑے شہر اور آبادی میں تعلیمی ادارے قائم کیے تھے اور عام لوگوں کو بچوں کی تعلیم کے لیے متعدد سہولتیں اور ترغیبات فراہم کی تھیں۔ کتابوں کی اشاعت کے لیے کتب، انعامات، تمغے، اسناد اور خطابات دینے کے رواج کی بھی حوصلہ افزائی کی ہے۔

جان جیکب کو انتقال کے بعد اس کی وصیت کے مطابق جیکب آباد ہی میں دفن کیا گیا ہے۔ اور خوش اعتقاد لوگ اس کی مزار پر منتیں مانگتے اور چراغ جلاتے ہیں۔

# کتابیات


۱۔ نگارشات از ڈاکٹر عبدالمجید سندھی۔

۲۔ سندھی ادب کی مختصر تاریخ از ڈاکٹر عبدالمجید سندھی۔

۳۔ Papers of Sindhi Language and Linguistics compiled by Professor Dr Ghulam Ali Alana

۴۔ سندھی نثر کی تاریخ۔ڈاکٹر منگھا رام ملکانی، روشنی پبلی کیشنز، حیدرآباد۔

۵۔ اردو سندھی کے لسانی روابط۔از اشرف الدین اصلاحی۔

۶۔ سندھی ادب اور مشہور مستشرقین۔حبیب اللہ بھٹو۔شکارپور۔

۷۔ Sind Register by Sir Richard F.Burton

۸۔ A Glance of Sindh before Napier by Eastwick

۹۔ History of Sind and told by its Historian by H.M Elliot

۱۰۔ کھٹمال۔مجموعہ مضامین، از ڈاکٹر عبدالجبار۔